تحریک اسلامی: زوال سے بچاؤ کی تدابیر

صدر الدین اصلاحی

*جماعت اسلامی ہند کے زیر اہتمام رام پور میں ۹ ستمبر ۱۹۶۶ء کو "تحریک اسلامی کو زوال سے محفوظ رکھنے کی تدبیریں" کے موضوع پر ایک سیمی نار منعقد ہوا تھا۔ اس میں جماعت کے مرکزی رہنماؤں نے حصہ لیا تھا۔ **مولانا صدر الدین اصلاحی** صاحب بذات خود اس میں شریک نہیں ہو سکے تھے' البتہ اس موضوع پر انھوں نے ایک جامع تحریر بھجوا دی تھی جسے ذیل میں شائع کیا جا رہا ہے۔ (مدیر)*

میرے جائزے کے مطابق کسی اسلامی تحریک کو زوال سے محفوظ رکھنے کی مختصر تدبیریں حسب ذیل ہیں:

۱۔ **مقصد تحریک کو تازہ رکھنے کی پیہم جدوجہد:** سب سے اہم اور سب سے مقدم ضرورت یہ ہے کہ تحریک کے کارکنوں کے دل و دماغ میں اس کی بنیاد کو مضبوط اور ہر آن توانا رکھنے کی پیہم جدوجہد جاری رکھی جائے۔ کیونکہ تحریک کے اصل نصب العین کے بارے میں کارکنوں کے ذہن میں جو گہری وابستگی اور یک سوئی ابتدا میں ہوتی ہے' ضروری نہیں کہ وہ ہمیشہ برقرار رہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ وابستگی داخل اور خارج دونوں ہی کی بہت سی مخالف قوتوں کی زد میں رہا کرتی ہے' مثلاً ہمت شکن سیاسی حالات اور معاشی دشواریاں' ماحول کی اجنبیت' دوسرے مسلم گروہوں اور افراد کے افکار سے اثر پذیری اور اس طرح کی دوسری چیزیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ اس طرح کے اسباب کے تحت اقامت دین کے نصب العین کے یقین و اذعان میں جو کچھ زنگ پیدا ہو' اسے پوری مستعدی اور ہوش مندی سے برابر صاف کیا جاتا رہے۔ ورنہ قرآن کی روزانہ تلاوت کرتے رہنے اور اس کی عظمت و تقدیس کی کیفیت جسم پر طاری کرتے رہنے کے باوجود جس طرح اس کا حق اتباع ادا کرنے کا خیال لوگوں کے دل میں بہ مشکل ہی آیا کرتا ہے' اسی طرح قطعی ممکن ہے کہ لوگ تحریک اسلامی سے وابستہ رہتے ہوئے اور اقامت دین کے نصب العین کو اپنا فریضہ حیات قرار دیتے ہوئے بھی غیر شعوری طور پر عملاً اس سے دور جا پڑیں۔

۲۔ **رضاے الٰہی کی طلب ماند نہ پڑے:** دوسری ضروری بات یہ ہے کہ کارکنوں کے اندر خالص

رضائے الٰہی کی طلب نہ صرف یہ کہ برقرار رکھی جائے بلکہ اسے فزوں سے فزوں تر بنانے کا اہتمام رکھا جائے۔ کیونکہ ایک بار ابتدا میں پورے اخلاص کے ساتھ یہ عزم و اقرار کر لینا کہ اللہ کی رضا طلبی ہی ہمارا پہلا اور آخری مقصد ہے اور ہم صرف اس کی خاطر اس تحریک میں شامل ہوئے ہیں، اس بات کی ہرگز کوئی ضمانت نہیں کہ ایک دن کا یہ فیصلہ ہمیشہ اسی اخلاص و عزیمت کے ساتھ برقرار رہے گا۔ ایمان و اسلام کی پوری تاریخ اس خوش گمانی کی تردید کر رہی ہے اور رضائے الٰہی کے جذبے کا کمزور پڑ جانا تحریک کو قطعاً جسد بے روح بنا دیتا ہے۔

۳- **باطل نظام اور افکار و نظریات سے مداہنت کا خدشہ:** تیسری ضروری بات یہ ہے کہ تحریک کے علم برداروں کے اندر باطل نظام، افکار و نظریات سے سازگاری اور مداہنت کی بیماری نہ گھسنے پائے اور وہ اس طرف سے پوری طرح چوکنے رہیں۔ کھلی بات ہے کہ صاحب اقتدار باطل فطری طور پر اور مختلف جہتوں سے، اہل حق کے ذہنوں پر مرعوبیت طاری کرنے کی کوشش میں رہتا ہی ہے۔ اس لیے اگر تحریک اس کی ان کوششوں کو سختی اور استقلال کے ساتھ ناکام بنانے کی طرف متوجہ نہیں رہے گی تو وہ اس سے سازگاری پیدا کرنے کے خطرے سے محفوظ نہیں رہ سکتی۔ یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں کہ سازگاری کا یہ میلان، تحریک کے لیے زہر ہلاہل سے کم نہیں۔

۴- **حکمت و دانش کے تقاضوں کو ملحوظ رکھنا:** چوتھی بات یہ کہ تحریک کو جہاں مداہنت کے رجحان سے محفوظ رکھا جائے وہیں اسے بدتدبیری، بے حکمتی اور فتور سے بھی بچایا جائے اور حکمت و دانش کے تقاضوں کو ہر آن ملحوظ رکھا جائے۔ ہر تحریک کی طرح اسلامی تحریک بھی ایک تدریج سے قدم آگے بڑھاتی ہے۔ اگر اس تدریج کو پس پشت ڈال دیا جائے اور پہلے ہی قدم پر ہر طرح کے محاذ کھول دیے جائیں تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ سرکش گھوڑے کی طرح تحریک کی گاڑی کو لے جا کر کسی گڑھے میں ڈال دیا جائے۔

۵- **دین کے غیر متوازن تصور سے بچاؤ:** پانچویں بات یہ ہے کہ تحریک کے کارکنوں میں دین کا صحیح اور متوازن تصور، عدم توازن سے نہ بدلنے پائے۔ اس بات کی پوری نگرانی رکھی جائے کہ ان کے ذہنوں میں دین کی ہر ہدایت اور اس کے ہر مطالبے کو وہی حیثیت حاصل رہے، فکری طور پر بھی اور عملی طور پر بھی، جو قرآن و سنت میں فی الواقع اس کی ہے۔ اس عدم توازن کا خطرہ جس بنا پر ایک واقعی خطرہ ہوتا ہے، وہ تحریک اسلامی کے کارکنوں کا وہ شدید ردعمل ہے جو دوسرے مسلمانوں کے ناقص اور غیر متوازن تصورات دین کے خلاف ان کے اندر پیدا ہو جایا کرتا ہے۔ جب تک یہ ردعمل معقول حدود کے اندر رہتا ہے تو خیر کا موجب بنتا ہے لیکن جب وہ شدت اور بحران کی شکل اختیار کر لیتا ہے تو اس سے شر پیدا ہونے لگتا ہے۔ ایک بہت

واضح مثال لیجیے۔ دین کا وہ تصور جو معروف عبادات سے آگے نہیں جاتا، قطعی طور پر ایک ناقص تصور ہے۔ وہ دین کو انسانی زندگی کے عظیم اجتماعی کردار سے بے تعلق رکھتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کے احکام کا ایک بڑا حصہ بالکل معطل پڑا رہ جاتا ہے اور انسان کی دینی زندگی اللہ تعالیٰ کی مکمل طاعت و بندگی کی سعادت سے محروم رہ جاتی ہے۔ اب اگر اس ناقص تصور دین کے خلاف کسی اسلامی تحریک کے داعیوں میں اتنا شدید ردعمل پیدا ہو جائے کہ وہ دین کے اجتماعی و سیاسی احکام ہی کو سب کچھ سمجھنے لگیں اور ذکر و تسبیح اور شب بیداری کی کماحقہ اہمیت ان کے اندر کم ہو جائے، حتیٰ کہ وہ اسے خدانخواستہ "خانقاہیت" سے موسوم کرنے پر اتر آئیں، تو یہ ایک بڑا نامبارک اور خطرناک ردعمل ہو گا اور تحریک کی جڑیں ہلا دینے کے لیے بالکل کافی ثابت ہو گا۔ وجہ بالکل ظاہر ہے۔

۶- **کارکنوں میں فکری جمود:** چھٹی بات یہ کہ عام کارکنوں کی عملی سرگرمیوں ہی کو نہیں بلکہ ان کی فکری جولانیوں کو بھی ماند پڑنے سے بچایا جائے۔ تحریک اپنے صحیح رخ پر ہرگز سرگرم سفر نہیں رہ سکتی اگر اس کے عام کارکنوں میں فکری جمود پیدا ہو جائے۔ وہ تحریک کے لیے سوچنا اور فکرمند رہنا چھوڑ دیں۔ اس کے معنی یا تو یہ ہوں گے کہ ان کی دلچسپیوں کا اصل مرکز اس تحریک کے بجائے کوئی اور چیز ہو چکی ہے یا پھر یہ کہ تحریک کے مستقبل کے بارے میں ان کے ولولے سرد پڑ گئے ہیں۔ ان میں سے جو بات بھی ہو، وہ تحریک کے لیے پیام مرگ ہی ثابت ہو سکتی ہے۔

۷- **آزادی فکر و رائے کی صحیح تربیت:** ساتویں ضروری بات یہ ہے کہ تحریک کے خادموں میں اختلاف رائے تو ضرور ہو کہ یہ انسانی قوت فکر و تدبر کا فطری تقاضا ہے۔ مگر یہ اختلاف رائے انتشار فکر اور ذہنی طوائف الملوکی کی شکل ہرگز نہ اختیار کرنے پائے کہ یہ کج فکری اور سوء تدبر کی علامت ہے۔ آزادی فکر و رائے، ہر شخص کا بنیادی حق ہے۔ اس حق کو اگر صحیح طریقے سے استعمال کیا جائے تو جماعت میں عمل کی صحت اور اقدام کی قوت پیدا کرتا ہے۔ لیکن اگر اس کا استعمال غلط طریقے سے کیا گیا تو اس کا نتیجہ بھی الٹا نکلتا ہے اور جماعت کو منتشر اور بے دم کر کے رکھ دیتا ہے۔ آزادی فکر و رائے کے صحیح استعمال کی شکل یہ ہے کہ غیر منصوص اور اجتہادی امور میں، رایوں کے کسر و انکسار سے کام لیا جائے۔ صحیح بات تک پہنچنے کے لیے کھلے دل سے بحث و گفتگو تو چاہے جتنی بھی ہو، ضرور کی جائے، مگر آخر میں جب کوئی فیصلہ ہو جائے تو پھر اپنی رائے پر اصرار کرنے کا خیال ترک کر دیا جائے۔ اِعۡجَابُ کُلِّ ذِیۡ رَاۡیٍ بِرَاۡیِہٖ یعنی رائے والے کا اپنی رائے پر فریفتہ ہو رہنا، ایسی مہلک بیماری ہے جس کی موجودگی میں کسی جماعت کا اپنے مقصد کے لیے سرگرم سفر رہنا تو دور کی بات ہے، اس جماعت کا باقی رہنا ہی مشکل ہو جاتا ہے۔

۸- **امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے جذبے کا سرد پڑ جانا:** آٹھویں ضروری بات یہ ہے کہ

تحریک کے کارکنوں میں **تواصی بالحق وتواصی بالصبر** کا ایمانی ذوق کم نہ ہونے پائے' بلکہ اسے برابر بڑھاتے رہنے کا اہتمام رکھا جائے۔ ورنہ کہنے کو تو یہ اہل ایمان کا ایک ایسا قافلہ ہو گا جس کے افراد کے جسم ہی نہیں' ان کے دل بھی ملے ہوئے ہیں اور جن کے اندر اتباع دین اور **استقامت علی الحق** کے جذبات موجزن ہیں' مگر فی الواقع ان میں سے کوئی بات نہ ہو گی اور جب یہ باتیں نہ ہوں گی تو تحریک کی کامیابی کا بھی کوئی سوال باقی نہ رہ جائے گا۔

۹- **اطاعت امیر کا صحیح تصور اجاگر کرنے کی ضرورت:** نویں اہم ضرورت یہ ہے کہ تحریک کے عام کارکن اپنے سربراہوں کے ساتھ "نصح" کا فرض پورے احساس فرض کے ساتھ ادا کرتے رہیں۔ اس کے دو پہلو ہیں: ایک تو یہ کہ معروف میں ان کی پوری پوری اطاعت کریں اور ان کے لیے اپنے دل میں محبت اور احترام کے جذبات رکھیں۔ دوسرے یہ کہ ان کے لیے فکری اور عملی ہر طرح کی لغزشوں سے بچنے کا ذریعہ بنیں۔

۱۰- **مایوسی یا اکتاہٹ کا سدباب:** دسویں ضروری بات یہ ہے کہ تحریک کے داعی اور کارکن اپنے کام کے سلسلے میں' جسے انھوں نے اپنا فریضہ حیات سمجھ کر قبول کیا ہے' کبھی دل شکستگی' مایوسی یا اکتاہٹ کا شکار نہ ہوں۔ انھیں صرف چند روز کی کوششوں کے بعد یہ خیال نہیں کر لینا چاہیے کہ جس زمین پر ہم اس وقت کام کر رہے ہیں' وہ بنجر ہے اور لوگ بات سننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ اس قسم کی جلد بازی سخت خطرناک چال ہے۔ نفس اور شیطان کی' اس چال کا ہرگز شکار نہ ہونا چاہیے۔ نہ کسی دوسرے ہمراہی کو اس کا شکار بننے دینا چاہیے۔ آخر آدمی یہ کیوں سوچے کہ اس بارے میں سارا قصور مخاطب ہی کا ہے۔ یہ بھی کیوں نہ خیال کرے کہ خود میرے اپنے طریق دعوت میں بھی تو کوئی نقص ہو سکتا ہے' خود میرے اخلاق و اعمال کی شہادت میں بھی تو خامیاں ہی خامیاں ہیں۔ ایسی حالت میں اگر میری دعوتی کوششوں کا دوسروں پر خاطر خواہ اثر نہیں ہو رہا ہے تو اس کی ذمہ داری میں میرا بھی حصہ ضرور ہے۔

۱۱- **کامیابی ناپنے کا پیمانہ:** اس ضمن میں جو اصل بات ہے' وہ یہ ہے کہ داعی کو اپنی کامیابی ناپنے کا پیمانہ' دعوت کی کامیابی اور اس کے پھیلاؤ کو نہ بنانا چاہیے کیونکہ یہ دونوں الگ الگ چیزیں ہیں۔ نظر اس پر جمی رہنی چاہیے کہ میں اپنی دعوتی ذمہ داریوں کو تاحد امکان پوری طرح انجام دوں' اس پر نہیں کہ اس کے محسوس نتائج کیا نکلتے ہیں۔ دعوت کے کام میں سستی اور مایوسی پیدا ہی اسی وقت ہوتی ہے جب نظر کا کانٹا اس طرح بدل جاتا ہے۔ تحریک کی زندگی کے لیے بہت ضروری ہے کہ اس کے داعیوں میں فکر و نظر کی یہ سلامتی برقرار رہے۔